تصورِ مردِ کامل

عابدہ خاتون

علامہ اقبالؒ اور میاں محمد بخشؒ کی شاعری کی اساس اور تمام تر فلسفے کا نچوڑ انسانِ کامل کا تصور ہے۔ اس کائناتِ عالم میں ان کی متجسّس نگاہیں انسانِ کامل کی تلاش میں ہیں کیوں کہ یہ دنیا انھیں آدمیوں کا ایک جنگل نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عظیم صوفی شاعر مولانا جلال الدین رومیؒ کے ان اشعار کو علامہ اقبالؒ 'اسرارِ خودی' کا سرنامہ بناتے ہیں:

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گردِ شہر
کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست
زیں ہمرہانِ سست عناصر دلم گرفت
شیرِ خدا و رستم دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود جُستہ ایم ما[1]
گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست

میاں محمدؒ بھی اپنے عہد اور اس کے انسان سے مطمئن نہ تھے ان کو بھی رومی کی طرح انسان کی آرزو اور انسان کی تلاش تھی۔[2]

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

کدھرے نظر نہ آوے کوئی بھرے پیالے والا[3]
جے دِسّے تاں ورتے ناہیں ناں ہک گھٹ نوالا

میاں محمد بخشؒ کا عہد اخلاقی پستی کا بدترین دور تھا۔ غلامی کے اس عہد میں سب کے پیالے آدھے تھے۔ اعمال و اخلاق کے اعتبار سے انھیں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جس سے دوسروں کو فیض پہنچے۔ غلامی کے بدترین عہد میں جب کفر اور تاریکی کا غلبہ بڑھ جاتا ہے تو ایک روشنی کی صورت انسانِ کامل کا ظہور ہوتا

ہے۔ اِسی مردِ کامل کا بھر پور تصور اقبالؒ اور میاں محمد بخشؒ کے کلام میں پایا جاتا ہے۔

'اس انسانِ کامل کی بعثت پر تمام اہلِ کتاب کا اتفاق ہے اور اسی انسانِ کامل کا راستہ صاف کرنے کے لیے مجدّد اور عالم آتے رہتے ہیں تاکہ قوم کا معیارِ حیات پستی سے رفعت کی طرف لایا جائے اور اسے آنے والے 'نائبِ الٰہی' کی تعلیم کے قابل بنایا جائے۔ علامہ اقبال اسی نائبِ حق کا ایک پیش رو ہیں، جس کی آمد کا سب کو انتظار ہے جس کے لیے ایک عالم ہمیشہ ہمیشہ چشم براہ رہتا ہے۔'[۴]

اسی مردِ کامل کی تلاش میں نوعِ انسانی ہزار ہا سال سے سرگرمِ عمل ہے اور کائنات اسی کے انتظار میں بے قرار ہے جو شجرِ انسانیت کا آخری ثمر ہے، انسانیت کا حقیقی حاکم اور کاروانِ زندگی کی منزل ہے۔

میاں محمد بخشؒ اسی انسانِ کامل کے انتظار کو یوں بیان کرتے ہیں:

سرو آزاد حیران کھلوتا پیر زمیں وچہ گڈّے![۵]
اُچّا ہو ہو رستا ویکھے مت سوہنا سر کڈھے

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا
اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا
رونقِ ہنگامۂ ایجاد شو[۶]
در سوادِ دیدہ ہا آباد شو
نوعِ انساں مزرع و تو حاصلی[۷]
کاروانِ زندگی را منزلی

یہ وہ مثالی انسان ہے جو دنیا میں سب سے بلند مرتبت ہے اور اقبالؒ کے نظریۂ خودی کی آخری منزل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مردِ مومن کے مقام کی کوئی حد نہیں اور پورا جہاں اس کے زیرِ نگیں ہے کیوں کہ وہ نہ صرف اشرف المخلوقات اور مسجودِ ملائک ہے بلکہ زمان و مکاں کی قیود سے آزاد ہے۔

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے[۸]
مومن کا مقام ہر کہیں ہے

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں[۹]
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

قرآنی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین انداز پر تخلیق فرمایا، اسے تمام اشیا کے نام سکھائے اور فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا پھر تمام کائنات کو اس کے لیے مسخر کر دیا۔ احادیثِ مبارکہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کا عکس انسان کو ودیعت فرمایا اور اسی اطاعتِ خداوندی کی

بدولت انسان لمحہ بہ لمحہ آگے بڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا جاتا ہے۔ گویا اطاعتِ الٰہی مومن کے لیے اوّلین شرط ہے اور یہی علامہ اقبالؒ کے نزدیک خودی کی منزل کا پہلا زینہ ہے۔

''اقبال نے تربیتِ خودی کے تین مراحل بیان کیے ہیں۔ پہلا مرحلہ اطاعت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اقبال کی خودی خودسری نہیں ہے۔ حکمرانی کے لیے پہلے حکم برداری کی مشق مسلّم ہے۔ جس نے خود اطاعت کی مشق نہ کی ہو وہ دوسروں سے اطاعت طلب کرنے کا حق بھی نہیں رکھتا۔ انسان کو خدا اختیار ورزی کی مشق کرانا چاہتا ہے تاکہ وہ فطرت کے جبر سے نکل کر اپنے اختیار سے فضیلت کوش اور خدا طلب بن سکے۔ اصل مقصد اطاعت کو اختیار بنانا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ جبر کو اختیار میں بدلنا ہے۔''[10]

در اطاعت کوش اے غفلت شعار[11]
می شود از جبر پیدا اختیار

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت انفرادی خودی کی تربیت کا پہلا مرحلہ ہے۔ خدا نے نفس کی مختلف قوتوں کی تگ و دو کے لیے کچھ حدود مقرر کی ہیں، ان حدود کو شریعت یا قانونِ الٰہی کہتے ہیں۔ شریعت کی پابندی خدا کا قرب حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اس سے خودی کو اپنی آزادی کی حد کا پتا چلتا ہے اور وہ افراط و تفریط سے بچ کر صراطِ مستقیم پر چلتی ہے جو اس کی انفرادیت کے ارتقا کی لازمی شرط ہے۔''[12]

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبحگاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی
تری زندگی اسی سے، تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو رُو سیاہی[13]

خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا
مقامِ رنگ و بو کا راز پا جا[14]

''اقبال کے نقطۂ نظر سے 'خودی' زندگی کا آغاز، وسط اور انجام سبھی کچھ ہے فرد اور ملت کی ترقی و پستی، خودی کی ترقی و زوال پر مبنی ہے۔ خودی کا تحفظ زندگی کا تحفظ اور خودی کا استحکام زندگی کا استحکام ہے، ازل سے ابد تک خودی ہی کی کارفرمائی ہے۔ اس کی کامرانیاں اور کارکشائیاں بے شمار اور اس کی وسعتیں اور بلندیاں بے کنار ہیں۔''[15]

خودی کیا ہے؟ رازِ درونِ حیات
خودی کیا ہے؟ بیداریِ کائنات[16]

ازل اس کے پیچھے، ابد سامنے
نہ حد ، اس کے پیچھے نہ حد سامنے![۱۷]
ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر
ہوئی خاکِ آدم میں صورت پذیر
خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تِل میں ہے[۱۸]

''الغرض عرفانِ ذات، خود آگاہی، ایمان و یقین کی گہرائی، جرأت و شجاعت، عزم و استقلال، ذوقِ تسخیر اور کائنات کو مسخر کر کے توحید کا راز آشکارا کرنے والی قوت کا نام خودی ہے۔''[۱۹]

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی[۲۰]

خودی ایک تلوار کی مانند ہے جو توحید کی محافظ ہے۔ یہ انسان کو تمام سجدوں اور غیر اللہ کے خوف سے نجات دلا کر نہ صرف ایک مؤحد بناتی ہے بلکہ صحیح معنوں میں اطاعت گزار بناتی ہے جس کی بدولت وہ قربِ الٰہی حاصل کرتا ہے اور تمام دنیا سے الگ ہو کر صرف اللہ کا عبادت گزار بندہ بن جاتا ہے۔

خودی کا سرِ نہاں لَآ اِلٰهَ اِلَّا الله
خودی ہے تیغ، فساں لَآ اِلٰهَ اِلَّا الله[۲۱]

علامہ اقبالؒ نے خود شناسی کو خودی سے تعبیر کیا ہے اور اپنی تحریروں میں جا بجا لفظ خودی کی تشریح فرمائی۔ انھوں نے غرور و تکبر کی بجائے اس لفظ سے مراد احساسِ نفس اور تعیّنِ ذات کے مفہوم کا احاطہ کیا۔ فرماتے ہیں:

خودی کی شوخی و تندی میں کبر و ناز نہیں
جو ناز ہو بھی، تو بے لذّتِ نیاز نہیں[۲۲]

''اقبال کے ہاں خودی کا تصور درحقیقت قرآن کریم کے نیابتِ الٰہی کے تصور کا آئینہ ہے۔ خدا کی ذات لامتناہی قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ خدا کی مشیت اور قوتوں کے سامنے خاک و افلاک، ذرہ و خورشید، سب سربسجود ہیں۔ قرآنِ کریم میں جس نصب العینی آدم کا تصور پیش کیا گیا ہے وہ بھی مسجودِ ملائک ہے۔ اس ظاہری تضاد سے توحید میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ جب کسی بادشاہ کا وزیر یا نائب پوری طرح سے اس کی سیاست کو سمجھنے والا اور تہِ دل سے اس کے احکام کو بجا لانے والا ہو تو اگرچہ سرچشمۂ اقتدار بادشاہ ہوتا ہے لیکن رعایا کو نائب کی اطاعت اس طرح کرنی پڑتی ہے جس طرح بادشاہ کی۔ انسان کا نصب العین یہ

ہے کہ شمس و قمر، شجر و حجر اور کائنات کی وہ قوتیں جنھیں ملائکہ کہتے ہیں، سب کے سب اس کے لیے مسخر ہوں اور یہ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ وہ مشیتِ ایزدی کے عرفان سے اپنی خودی کو استوار کرتا چلا جائے۔ اس کی قوتِ تسخیر کی کوئی حد نہ ہوگی۔ نباتات و حیوانات اور اجرامِ فلکیہ پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد وہ ملائکہ، انبیا اور آخر میں خدا کے ساتھ ہم کنار ہو سکے گا۔''[۲۳]

یہی وہ مقام ہے جس کے لیے علامہ اقبالؒ کہتے ہیں:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے[۲۴]

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے[۲۵]

انسان نائبِ خدا ہے اور اطاعتِ الٰہی مومن کی سرشت میں شامل ہے۔ توحید کا راز اُس پر عیاں کرنے والی بے پناہ قوت کا نام خودی ہے جس کا نوری جوہر اللہ تعالیٰ نے اُس کی ذات میں ودیعت فرمایا ہے جو شخص اس جوہرِ ملکوتی کو پالیتا ہے دنیا کی تمام قوتیں اس کے سامنے سرنگوں ہوتی چلی جاتی ہیں۔

ترا جوہر ہے نوری، پاک ہے تُو
فروغِ دیدۂ افلاک ہے تُو
ترے صیدِ زبوں افرشتہ و حور
کہ شاہینِ شہِ لولاکؐ ہے تُو[۲۶]

مردِ کامل توحید اور رسالت کی معرفت سے سرشار ہو کر عرفانِ ذات اور عرفانِ خدا کی حقیقی منزل پر اُسی وقت فائز ہوسکتا ہے جب وہ اپنی خودی کو مکمل طور پر مستحکم کر لیتا ہے۔ علامہ اقبالؒ انسان کو اُس کے حقیقی مرتبے سے آگاہی کا احساس دلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خودی کی معراج حاصل کرنے کے لیے اپنی تمام تر قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لانا چاہیے تاکہ خدا کا ترجمان بنا جا سکے۔

تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا رازداں ہوجا، خدا کا ترجماں ہوجا[۲۷]

گزر جا بن کے سیلِ تند رو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا[۲۸]

علامہ اقبالؒ نے اسرارِ خودی میں تربیتِ خودی کے تینوں مراحل اطاعت، ضبطِ نفس اور نیابتِ الٰہی کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور مردِ مومن کے لیے اطاعتِ الٰہی کو خودی کا پہلا درجہ قرار دیا ہے۔

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

خوشیاں کان نہ ہویا بندہ کرن عبادت آیا
وقت پچھاتا چاہیے بیٹا لبھسی نیئں کھڑایا[۲۹]

اطاعت کی ماہیت جذبۂ عشق ہے اور عشق کا سرچشمہ ذاتِ خداوندی ہے۔ گویا آدم 'سرِذات' ہے اور خدا کا راز ہے۔ قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر انسان کو اُس کی عظمت کا احساس دلا کر اُسے اپنے اندر خدائی صفات پیدا کرنے اور گمراہی سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

طلسمِ بود و عدم جس کا نام ہے آدم
خدا کا راز ہے، قادر نہیں ہے جس پہ سخن[۳۰]

در دو عالم ہر کجا آثارِ عشق
ابنِ آدم سرے از اسرارِ عشق[۳۱]

میاں محمد بخشؒ بھی انسان کے لیے اسی عشق کو ضروری سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں اصل انسان وہ ہیں جو مردانِ حق شناس ہیں اور محرمِ اسرارِ الٰہی ہیں۔

خاص انسان انہاں نوں کہیئے جنھاں عشق کمایا
دھڑ سر نال نہ آدم بندا جاں جاں سرّ نہ پایا[۳۲]

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی قربت عطا کر کے بیش بہا دولت سے نوازا ہے اور اس کے اندر عبدیتِ کاملہ کے مرتبے پر پہنچنے کی صلاحیت بھی عطا فرمائی، اُس کو اپنی صفات بھی بخشیں۔ یہی وجہ ہے کہ مردِ کامل مظہرِ ذات وصفات ہے۔ اس میں سے اللہ تعالیٰ کی صفات منعکس ہو رہی ہیں گویا مردِ مومن اللہ تعالیٰ کے روپ اور تجلّی کا ایک آئینہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کی آب وتاب اور شانِ ربّانی انسان ہی کے ذریعے نمایاں کی ہے۔ تخلیقِ کائنات کا سبب دراصل تخلیقِ آدم ہی ہے۔[۳۳]

بقول اقبالؒ:

مردِ مومن از کمالاتِ وجود
او وجود و غیرِ او ہر شے نمود[۳۴]

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

بوہت نوازیا آدمی نوں دتا سب خلق تھیں قرب نیارا
شیشہ اپنے روپ دا ایہہ کیتا، ثانی اوس دا نہیں کوئی چن تارا
شاہ آدمی کل پیدائشاں دا، شاہ اوس دا پاک حبیب پیارا
ایسے واسطے لوح تے قلم سرجے، سرگ نرک تے ہور سنسار سارا[۳۵]

یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے پیدا کی اور اُسے ایسی قوتوں سے نوازا کہ وہ اس کائنات کو مسخر کر سکے۔ عقل و عشق وہ قوتیں ہیں جن سے کام لے کر وہ پوری کائنات پر غالب آ سکتا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

ہیں تیرے تصرّف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبدِ افلاک، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں
تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ
سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے
دیکھیں گے تجھے دور سے گردُوں کے ستارے
ناپید ترے بحرِ تخیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیر خودی کر، اثرِ آہِ رسا دیکھ!

مردِ کامل اس زمین پر سنتِ رسول ﷺ کا وارث اور سیرت رسول ﷺ کا نمونہ ہے۔اس [۳۶] لیے کائنات کی تمام وسعتیں اُس کے سامنے سمٹ جاتی ہیں اور وہ اُس مقام پر فائز ہو جاتا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا۔ لیکن اس کے لیے ہمتِ مردانہ اور جہدِ مسلسل کی ضرورت ہے۔ میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو لگاتار جدوجہد پر آمادہ کرنے کے لیے میں نے قصّہ سیف الملوک لکھا تا کہ انسان کبھی بھی ہمت نہ ہارے اور تھک کر نہ بیٹھ جائے بلکہ سیف الملوک کے ہیرو کی طرح مسلسل ہمت کے ساتھ جدوجہد کا سفر جاری رکھے۔

قصّہ سیف ملوکے والا اس کارن کہناں
طالب ہمت کر کے چلے روا نہ رکھے بہناں [۳۷]

اقبالؒ کے نزدیک وہی طالب صاحبِ امروز ہے:

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا [۳۸]

یہ مردِ کامل اپنی ہمت و عظمت سے زندگی کی تاریک شبوں کو سحر عطا کرنے والا ہے۔ گردشِ دوراں اس کی ہم رکاب ہے اور یہ جبریل کو صیدِ زبوں سمجھ کر شکار کرنے والا ہے۔

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ [۳۹]

افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن!
جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن![۴۰]

''انسان کے متعلق علامہ اقبال کا تصور اصولی طور سے قرآنی ہے۔ انھوں نے یہ تصور خودی کے نظریے سے مربوط کر کے پیش کیا ہے۔ اس میں صاحبِ ایمان انسان کو نائبِ حق اور مردِ مومن سے مخاطب کیا گیا ہے۔''[۴۱]

اس مردِ کامل کے وجود میں وہ ہمہ گیر صلاحیتیں پوشیدہ ہیں جو کائنات کی ہیئت کو تبدیل کر کے رکھ سکتی ہیں کیوں کہ یہ صاحبِ عقل ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ نظر اور قوت کا سرچشمہ ہے اور صفاتِ خداوندی کا مظہر بھی ہے۔

چاہے تو بدل ڈالے ہیئت چمنستاں کی
یہ ہستیِ دانا ہے، بینا ہے، توانا ہے[۴۲]

اطاعتِ الٰہی کے ذریعے جب مومن اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے تو پھر رضائے بندہ اور مرضیِ حق میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

در رضایش مرضیِ حق گم شود
ایں سخن کے باورِ مردم شود[۴۳]

خودی کی تربیت کے دوسرے مرحلے پر مردِ کامل ضبطِ نفس پر عمل پیرا ہوتا ہے یعنی اپنے نفس پر قابو پاتا ہے اور تمام بُری خواہشات پر غلبہ حاصل کرتا ہے۔ اطاعت سے ہی ضبطِ نفس کی صفت پیدا ہوتی ہے۔

''ضبطِ نفس کے بغیر اطاعت کا عمل مکمل نہیں ہوتا۔ ضبطِ نفس ہی سے انسان اطاعتِ الٰہی کے تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے اور نیابت کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہو کر خلیفۃ اللہ فی الارض قرار پاتا ہے۔''[۴۴]

مردِ کامل اپنے نفس کو احکامِ الٰہی کے تابع کر دیتا ہے اور ہر طرح کی بُری خواہشات سے دامن بچا کر چلتا ہے۔ اس کا دامن دنیاوی آلائشوں اور کثافتوں سے پاک ہوتا ہے۔

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

آتشیں پہاڑ غصّے دا شہوت دریا جوشاں
حرص ہوا گلیم گوشاں تھیں لنگھے کر کے ہوشاں[۴۵]

علامہ اقبالؒ کے نزدیک موجِ نفس تلوار کی مانند ہے اور خودی اس کی دھار ہے۔

یہ موجِ نفس کیا ہے؟ تلوار ہے!
خودی کیا ہے؟ تلوار کی دھار ہے![۴۶]

خودی کے اس مرتبے کو بھی وہی انسان پہچانتے ہیں جو اپنے نفس کا عرفان حاصل کر لیتے ہیں پھر اُن پر محبوبِ حقیقی کا خاص کرم ہو جاتا ہے۔ جب وہ راہِ طلب پر ثابت قدمی کے ساتھ چلنا شروع کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی انھیں اپنی طرف کھینچتا ہے۔ میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں پھر عفریت جیسا باغی نفس بھی مطیع و فرمانبردار گھوڑے کی مانند ہو جاتا ہے۔

جدوں پیارا مہریں آوے آپ آپے ول چھکّے
وَیری بھی تد گولے بندے ہَر اِک دا دل وِکّے
نفس عفریت کند ہاڑے جائے بَن بے عُذرا گھوڑا
فرماں دار چلے ہودر دی پنّدھ نہ کردا تھوڑا![۴۷]

''جب اطاعت و ضبطِ نفس کی منزلوں سے کسی فرد کی خودی، کامیاب گزر جاتی ہے تو وہ نیابتِ الٰہی کے منصب پر فائز ہو جاتا ہے جو تخلیقِ انسانی کا مقصدِ خاص ہے اور جس کے حصول کے لیے انسان روزِ اوّل سے سرگرمِ عمل اور مزاحمتوں سے برسرِ پیکار ہے۔''[۴۸]

نائبِ حق در جہاں بودن خوش است
بر عناصر حکمراں بودن خوش است
نائبِ حق ہمچو جانِ عالم است
ہستیِ او ظلِ اسمِ اعظم است[۴۹]

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایّام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر[۵۰]

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی عظمت کا بار بار ذکر کیا اور اسے زمین پر خلیفۃ اللہ کے منصب سے نوازا۔ شمس و قمر اور جنّ و ملائک کو اس کے تابع قرار دیا۔ لیکن یہ تب ہی ممکن ہے جب وہ محبوبِ حقیقی کی محبت میں ہر چیز سے بے نیاز ہو جائے اور خالص اللہ کا بندہ بن جائے۔

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

اپنا آپ چھڈیں اُس کارن ساجن تاں گھٹ آون
سبّھ جگ اُتّے شاہی تیری پریاں تخت اُڈاون[۵۱]

''نیابت اللہ (خودی کا تیسرا مرحلہ) اور روئے زمین پر انسانی معراج ہے۔ نائبِ حق روئے ارضی پر خلیفہ فی الارض ہے اور مکمل ترین خودی کا مظہر ہے۔ وہ خودی کی تکمیل یافتہ تجسیم، معراجِ انسانیت اور جسم و دماغ کے لحاظ سے زندگی کا نقطۂ عروج ہے۔''[۵۲]

علامہ اقبالؒ نے جس مردِ مومن اور انسانِ کامل کا تصور پیش کیا وہ حقیقی معنوں میں نائبِ خدا ہے۔

اُس میں جملہ صفاتِ الٰہی کا پرتو پایا جاتا ہے۔ وہ ان تمام صفات و کمالات کا مظہر ہے جو اس میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت کیے ہیں۔ اس میں صفتِ جمالی بھی ہے اور صفتِ جلالی بھی۔

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں ، وہ طوفان[۵۳]

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی بُرہان
قہّاری و غفّاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان[۵۴]

مردِ کامل کی زندگی کے دو رُخ ہوتے ہیں ظاہری طور پر تو وہ دنیا میں رہتا ہے لیکن باطنی طور پر خدا سے واصل ہوتا ہے یعنی اپنا رشتہ ہمیشہ خدا کے ساتھ استوار رکھتا ہے۔ اس کے دل میں محبوبِ حقیقی کے سوا کسی کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ جلوت ہو یا خلوت وہ ہر دم اپنے خدا کی یاد میں مست اور مگن رہتا ہے۔ اُسے دنیا کی کوئی پروا نہیں ہوتی کیوں کہ اُس کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہوتا ہے۔

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

جھاں دلبر پایا اونہاں ناں پروا کسے دی
وچہ گوشے توحید انہاندے ناہیں جا کسے دی
فارغ ہیں اوہ عقلوں ہوشوں ٹردے اپنی ٹورے
اوراں دی پندمت نہ سندے کن انہاندے ڈورے
سُکّے پیر ندی تھیں لنگھن وچہ سمندر چلدلے
ہرگز مثل سمندر کیڑے آتش وچہ نہ جلدے[۵۵]

یہ مردِ کامل پانی کے طوفانوں میں بھی محفوظ رہتے ہیں بلکہ میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں کہ آگ بھی انھیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتی کیوں کہ وہ اپنی خودی استوار کر چکے ہوتے ہیں۔ علامہ اقبال 'شکوہ' میں ایسے ہی مردوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے[۵۶]

یہ مردِ کامل جب حضوری کی منزل پا لیتے ہیں تو غیر اللہ کے طلسم سے بھی آزادی حاصل کر لیتے ہیں کیوں کہ جب تک مردِ مومن پر یہ حقیقت منکشف نہ ہو کہ اللہ کے سوا اس کائنات میں کوئی ہستی حقیقی معنوں میں موجود نہیں، غیر اللہ کی غلامی سے رہائی پانا ممکن ہی نہیں ہو سکتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ سے منھ موڑ کر غیر اللہ

سے اُمید رکھنا انسان کو ایمان کی حدوں سے نکال کر کفر کے نزدیک لے جاتا ہے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

اے مسلماں جز براہ حق مرو
نا اُمید از رحمتِ عامے مشو[۵۷]

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں، خدا سے نواُمیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے![۵۸]

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے[۵۹]

''خودی کا اصل جوہر توحید ہے۔ تمام دنیا سے کٹ کر صرف ایک خدا کا ہو کر رہ جانا، اسی کو اپنا مالک، فرماں روا، حاکم اور معبود سمجھنا اور اس کے سوا کسی کے آگے نہ جھکنے کا نام خودی ہے۔''[۶۰]

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

جس بندۂ حق بیں کی خودی ہو گئی بیدار
شمشیر کی مانند ہے بّرندہ و بّراق[۶۱]

اُس مردِ خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو
تو بندۂ آفاق ہے ، وہ صاحبِ آفاق![۶۲]

اسی توحید کی بدولت مردِ کامل دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سے بھی مرعوب نہیں ہوتا اور اللہ کے سوا کسی کے سامنے سرِتسلیم خم نہیں کرتا یعنی وہ ساری دنیا کو ہیچ سمجھتا ہے۔ وہ کائنات میں گم نہیں ہوتا بلکہ پوری کائنات اس میں گم ہو جاتی ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق[۶۳]

''جب کوئی بندہ خالص اللہ کا ہو کر رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کا بن جاتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا مالک ہے اس لیے کائنات کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرماں بردار بندے کے تابع فرمان ہو جاتی ہیں۔''[۶۴]

گویا مردِ مومن اللہ تعالیٰ کا تابع فرماں ہے اور کائنات کی تمام قوتیں اور طاقتیں اس کی تابع ہیں۔ دنیا کے لوگ اس کے مقام اور مرتبے کو نہیں پہچان سکتے کیوں کہ اُس کی کم زوری میں طاقت اور دیوانگی

میں بھی فرزانگی ہے۔

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

یار کرے جد اپنا تینوں چُھٹسن ہور اشنائیاں
ماں پیوَ سجن یاد نہ رہسن حرص نہ بھنیاں بھایاں
جدوں جمال کمال دَسے گا سوہناں لعل پیارا
ویکھن نال حلال ہوئیں گا چھوڑ جنجال پسارا
خلقت تھیں گم ہویا چاہسیں گم ہویا تد پاسیں
برّاں وچہ درندیاں وانگوں چُھپ چُھپ جھٹ لنگھاسیں
نالے لاغر لِسّا تھیسیں نالے زور تواناں
نالے عاقل دانا ہوسیں نالے مست دیواناں[۶۵]

میاں محمد بخشؒ کے کلام کی اساس معرفتِ نفس پر ہے۔ اس لیے فرماتے ہیں کہ اگر خلقت سے الگ تھلگ ہو کر چشمِ بصیرت سے دیکھے گا تو وہ محبوب مل جائے گا جس کی تجھے تلاش ہے۔ اسی محبوب کی بدولت تُو زمان و مکاں پر غالب آ سکتا ہے۔

بقول اقبالؒ:

ہست معشوقے نہاں اندر دلت
چشم اگر داری، بیا، بنمایمت
عاشقانِ او ز خوباں خوب تر
خوشتر و زیبا تر و محبوب تر[۶۶]

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

دلبر جس دا کوئی نہ ثانی جوبن دا متوالا!
ہار نہ نیت پریت اوہدی دی نیہوں کمائیں لالہ
جس بن ہکدم جال نہ تھیندی اس بن کیونکر رہسیں
دے جواب کھدیڑے توڑے فیر اوسے ول ڈھسیں[۶۷]

مردِ کامل کی نگاہ ہمیشہ اپنے مقصد پر ہوتی ہے۔ دنیا کی دلکشی اسے متاثر نہیں کرتی کیوں کہ ہر دم محبوبِ حقیقی کا خیال ہی اُس کے پیشِ نظر رہتا ہے۔ وہ ہر وقت ذکر و فکر میں مگن رہتا ہے۔ میاں محمد بخشؒ ایسے ہی مومن مردوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

ہر دم ذکر سجن دے اندر کل جہان بھلاون
دل جانی دے عشقے کولوں اپنی جان رلاون[۶۸]

محبوبِ حقیقی کا ذکر دل کو دنیا و مافیہا سے بیگانہ کر دیتا ہے اور ذوق وشوق یعنی جذبۂ محبت کو صحیح راستہ دکھاتا ہے۔ اقبالؒ اور میاں محمد بخشؒ کے نزدیک مردِ کامل کا عشق محبوبِ حقیقی کے ساتھ اپنی جان ملانے کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مردِ کامل دل کی گہرائیوں سے ذکر میں مصروف رہتا ہے۔

ذکر؟ ذوق و شوق را دادن ادب
کارِ جان است ایں نہ کارِ کام و لب[۶۹]

ذکرِ الٰہی کا تعلق عمل سے ہے جس کے لیے دل و نگاہ کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ ذکر کے بغیر فکر ناقص رہتی ہے۔ علامہ اقبالؒ ذکر و فکر کو عبادت کی روح قرار دیتے ہیں:

مقامِ ذکر کمالاتِ رومی و عطار
مقامِ فکر مقالاتِ بو علی سینا
مقامِ فکر ہے پیمائشِ زمان و مکاں
مقامِ ذکر ہے سبحانِ ربّی الاعلیٰ[۷۰]

خرد نے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں[۷۱]

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن[۷۲]

فقرِ قرآں اختلاطِ ذکر و فکر
فکر را کامل ندیدم جز بذکر[۷۳]

محبوبِ حقیقی سے عشق کا تقاضا یہ ہے کہ ذکرِ الٰہی کی بدولت سالک کے اندر تجلّی پیدا ہو۔ ایسی تجلّی جو خودی کی نگہبانی کرے۔ میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کے نور کی یہ تجلّی پیدا نہ ہو جو نفس کو عشق کی آگ میں جلانے سے پیدا ہوتی ہے یعنی اگر سالک کا دل روشن نہ ہو تو فقیر کی جُلّی بے سود اور مکر و فریب ہے۔

اوپر جُلّی موہوں جلّی اندر نہیں تجلّی
جب لگ عشقوں جاں نہ جَلّی بھٹھ جُلی کیا جَلّی[۷۴]

بقول اقبالؒ:

یہ ذکرِ نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں[۷۵]

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے انسان کو تمام دنیا سے الگ ہو کر اکیلا ہونا پڑتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مردِ مومن دنیا تیاگ کر رہبانیت اختیار کرتا ہے۔ وہ دنیا میں رہتا تو ہے لیکن اُس سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اُس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے انسان دنیا میں جب سوتا ہے تو بظاہر وہ دنیا میں موجود ہوتا ہے لیکن دنیا کی طرف سے اُس کی آنکھیں بند ہوتی ہیں اور گویا وہ دنیا میں ہوتے ہوئے بھی اپنے اردگرد کی رنگینیوں سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اُس پر ایک نئی دنیا منکشف ہوتی ہے اِسی طرح جب وہ دنیا کے تمام دھندوں سے علاحدہ ہو کر الف کی مانند تنہا ہو جاتا ہے تب اللہ تعالیٰ اُسے ولایت کا اعلیٰ رتبہ عطا فرماتا ہے۔

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

اوّل الف اکلا ہونویں نقطے چھوڑ جنجالی
ہکو صورت ہکو ہندسہ بہت حسابوں خالی
کڈہیں دل کھلونویں سدھا کر کے ہمت عالی
اندر الفت ہوئی الف دی تاں الفی گل ڈالی[۶۷]

ہک دلبر نوں دل وچہ رکھن سبھ خلقت تھیں نسّن
ویدن وید نہ جانن مُولے کہو کی دارو دسّن
کن آواز پوے ہر ویلے پہلے قول الستوں
قالُوا بَلیٰ کو کیندے بھائی اوسے ذوقوں مستوں[۶۷]

مردِ مومن جب تربیتِ خودی کی تمام منازل بطورِ احسن طے کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اُسے اپنے محبوب بندوں میں شمار کر لیتا ہے۔

جاں توں سر دے پیر بنا کے مگر سجن دے چلئیوں
تاں فر پرت دلاسا دیسی جانی سنگت رلئیوں
کِسے ہور نہ کوئی تیرا توڑے سیں توں مندا
پئی قبول محبت تیری میں صاحب توں بندا[۶۸]

اللہ تعالیٰ زمان و مکاں کو اپنے محبوب بندے کے لیے مطیع و فرماں بردار بنا دیتا ہے اور پوری کائنات کو اُس کے لیے مسخر کر دیتا ہے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے، تُو نہیں جہاں کے لیے[۶۹]

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے[۸۰]

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی
مرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک![۸۱]

''مردِ مومن چونکہ خدا کا نائب ہے اس لیے وہ گردشِ ایام کا اسیر نہیں بلکہ گردشِ ایام کا مالک ہے۔ وہ کسی کے احکام کا پابند نہیں۔ وہ صرف احکامِ الٰہی کا پابند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زندانیِ تقدیر نہیں بلکہ خالقِ تقدیر ہے۔''[۸۲]

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند[۸۳]

مردِ کامل کی زندگی کا ہر لمحہ محبوبِ حقیقی کی خوشنودی کے لیے وقف ہوتا ہے اور اس کی زندگی کا نصب العین اپنی جان کی قربانی پیش کرنا ہے کیوں کہ مومن کی منزلِ مقصود شہادت ہے جو ابدی زندگی کی ضامن ہے۔ میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں کہ مردِ کامل ہر وقت جذبۂ شہادت کا آرزومند ہوتا ہے۔

جے اوہ جان پیاری منگے ترت تلی پر دھر دے
سر لوڑے تاں سہل پچھانن رتی عذر نہ کر دے[۸۴]

جے توں عاشق بنیاں لوڑیں پلا پکڑ سجن دا
جان منگے تاں دیہہ شتابی صرفہ کریں نہ تن دا
تن بھی تاہیں جنت جاسی خلعت لیے مرن دا
دوزخ موت محمد جھاگے رکھ کے چاہ ملن دا[۸۵]

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں رضائے حق کی خاطر تلوار اٹھانا مومن پر فرض ہے اور یہ موت شہادت ہے جو مردِ مومن کی زندگی کا اصل نصب العین ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذّتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی[۸۶]

مردِ کامل شہادت کو راہِ شوق کی آخری منزل سمجھتا ہے کیوں کہ یہ شہادت اسے کوئے دوست میں پہنچاتی ہے۔ اُس کی قوت اور ہمت راستے کی دشواریوں سے نہیں گھبراتی کیوں کہ عرفانِ خودی کے باعث

اسے وہ قوت حاصل ہوتی ہے جس سے کائنات کے اسرار و رموز اُس پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ وہ ہمت سے تجدیدِ حیات کرتا ہے اور اپنے آپ کو نیابتِ الٰہی کا اہل ثابت کرتا ہے۔ میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی ہمت اور عظمت کے سامنے دنیا کی تمام قوتیں ہیچ ہیں۔ وہ بطنِ گیتی اور سینۂ افلاک کو چیر کر سربستہ راز حل کرتا ہے۔ اس کا ایک قدم زمین پر ہوتا ہے تو دوسرا ماورائے افلاک، وہ سلطانِ بحر و بر ہے۔

پاک خداوند سر جیا آدم ڈاہڈی شئے
ہمت دا لک بنھ کے جدھر لگ پئے
پٹ پہاڑاں سٹدا دریا سادھ لیئے
کرے حساب آسمان دا غیبی خبر لیئے
کردا چھیک زمین نوں جاں پڑ مل لیئے
سخت مصیبت عشق دی اوہ بھی سر سہئے[۸۷]

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں[۸۸]

''اقبال کے مردِ مومن کی قوت کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے اس لیے اس میں جسمانی قوت ہی نہیں روحانی قوت بھی پائی جاتی ہے۔''[۸۹]

جے اوہ نظر کرے ول انبر چمک نہ جھلّن تارے
تارے جس ول مہریں آوے کردا پار اوتارے[۹۰]

یہ مردِ کامل قوت کا پیکر ہے اور دنیاوی جاہ و جلال عظمت و حشمت میں بے نظیر ہے۔ جب وہ شمشیر بکف نکلتا ہے تو کائنات کی کوئی چیز اس کی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ وہ سیف اللہ بن جاتا ہے۔ اسے وہ عظمت و شوکت نصیب ہوتی ہے جس سے وہ کائنات پر غلبہ اور تصرف حاصل کر لیتا ہے۔ پہاڑ اس کی ہیبت سے رائی بن جاتے ہیں۔

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے
جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم اِن کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ اِن کی ہیبت سے رائی[۹۱]

مردِ کامل کے باطن میں عشق کی آگ پوشیدہ ہے۔ وہ عشق کا پتلا ہے محبوبِ حقیقی اس کے حریمِ دل میں جلوہ گر ہے جو اس کی روحانی قوت کا سرچشمہ ہے۔

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

وچوں آتش باہروں خاکی دسدے حالوں خستوں
جے ہک نعرہ کرن محمد ڈھین پہاڑ شکستوں[۹۲]

''فقر اور عشق کے امتزاج سے جو ہیئتِ ترکیبی بنتی ہے، وہی بندۂ مومن ہے۔ اس کا وجود توحید و رسالت کی معرفت اور شریعت و طریقت کے علم و ادراک سے قائم ہے۔ اس کا ایک قدم زمین پر ہوتا ہے تو دوسرا عرشِ آسمانی پر۔ تدبیر و تقدیر اس کے اشاروں پر عمل کرتی ہیں۔ وہ عبدیت کے درجے پر فائز ہو کر نیابتِ خداوندی اور صفاتِ ملکوتی بیک وقت حاصل کر لیتا ہے۔ رازِ کُنْ فَکَانَ بھی وہی ہے اور اِنّی جاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیفَۃً کا مصداق بھی اسی کی ذات ہے۔''[۹۳]

مردِ حق از کس نگیرد رنگ و بو
مردِ حق از حق پذیرد رنگ و بو
ہر زماں اندر تنش جانے دگر
ہر زماں او را چو حق شانے دگر[۹۴]

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام
نے غلام او را نہ او کس را غلام
بندۂ حق مردِ آزاد است و بس
ملک و آئینش خداداد است و بس
رسم و راہ و دین و آئینش ز حق
زشت و خوب و تلخ و نوشینش ز حق[۹۵]

مردِ کامل اللہ کے سوا ہر شے سے بے نیاز ہوتا ہے۔ گویا وہ اپنی ذات میں درویش ہوتا ہے۔ کیوں کہ دنیاوی مال و دولت اس کی نظروں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ یہی بے نیازی وہ اعلیٰ و ارفع خصوصیت ہے جس سے وہ پوری کائنات کو مسخر کر سکتا ہے۔ فقر و استغنا ہی مردِ مومن کی اصل شان ہے۔ میاں محمد بخشؒ ایسے درویش صفت مردوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

وچوں نور الٰہی رنگے باہروں کالی کلفی!
ناں اوہ میرے وانگوں یارو دل جنجوں گل اَلفی[۹۶]

''اسی فقر سے مردِ مومن میں فطرت کی تمام قوتوں کو مسخر کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ زندگی کے ارتقا کے لیے تسخیرِ کائنات ایک ضروری شرط ہے اور یہ شرط 'فقر' کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی۔ یہی فقر ہے جس سے مردِ مومن میں عزم اور توکل باللہ پیدا ہوتا ہے جو اس کی قوتِ قہاری و جبروت کا سرچشمہ ہے۔''[۹۷]

مومن از عزم و توکّل قاہر است
گر ندارد ایں دو جوہر کافر است[۹۸]

مردِ کامل اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتا ہے۔ یہی عزمِ صمیم اور توکل باللہ اُسے ہر قسم کے خوف سے محفوظ رکھتا ہے۔ اُس کے دل میں صرف خوفِ خدا ہوتا ہے۔

ہک اللہ دا خوف ہمیشہ دہشت ہور نہ کائی
دشمن سبھ تہ تیغ کیتے سن عالم وچہ دوہائی[۹۹]

اللہ تعالیٰ پر توکل اور ہر حال میں صبر شکر مردِ کامل کی زندگی کا جزو لاینفک ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پاک بندوں کو مصیبتوں اور تکلیفوں سے بھی آزماتا ہے اس لیے ہر قسم کی مشکلات پر مردِ کامل صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتا ہے۔

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

کیتے رب سچے دے اُتے صابر شاکر رہناں
اس بن ہور نہیں کوئی والی ونج کس دے در ڈھناں[۱۰۰]

ایسا فقر جس سے شجاعت اور بہادری کا بھرپور اظہار ہو علامہ اقبالؒ کے نزدیک فقرِ عریاں ہے اِسی فقرِ عریاں نے میدانِ کارزار میں طاغوتی طاقتوں کو للکارا اور یہی فقر مردِ کامل کی میراث ہے۔

اک فقر ہے شبّیری اس فقر میں ہے میری
میراثِ مسلمانی، سرمایۂ شبّیری[۱۰۱]

''یہی 'فقرِ عریاں' ہے جس کے لیے اقبال نے 'عشق' کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے۔ عشق ایک ایسی اندرونی کیفیت اور ولولہ انگیز متحرک قوت ہے جو مردِ مومن کو حوصلہ شکن حالات میں بھی پُرعزم رکھتی ہے اور جدوجہد جاری رکھنے پر اصرار کرتی ہے اور اُس مسرت وشادمانی کا تصور پیش کرتی ہے جو صرف جدوجہد جاری رکھ کر منزلِ مقصود تک پہنچنے والوں کے حصّے میں آتی ہے۔''[۱۰۲]

''فلسفۂ اقبال میں عشق ہی ارتقا کی قوتِ محرّکہ ہے، یہی زندگی کے تخلیقی عمل کی اساس ہے، ہر قسم کی مادی ترقی اور اخلاقی رفعت کا سرچشمہ ہے۔ عشق زندگی کا باطنی ہیجان ہے جس کا تقاضا خودی کی تعمیر اور استحکام ہے۔ خودی کی کامل ترین صورت ذاتِ باری تعالیٰ ہے اور انسانی خودی ارتقا کی منزلیں طے کرتے ہوئے خدا سے قریب تر ہوجاتی ہے اس طرح خودی کی منزل تکریمِ آدم ٹھہرتی ہے۔

بر تر از گردوں مقامِ آدم است
اصلِ تہذیب احترامِ آدم است''[۱۰۳]

اقبالؒ انسان کی عظمت کو بڑی محبت سے بیان کرتے ہیں۔ فلسفۂ خودی کے حوالے سے ان کے سامنے ایک ہی نصب العین ہے کہ وہ انسان کو دنیا میں عظیم المرتبہ، خلّاق اور پاکیزہ دیکھ سکیں۔

''انھوں نے انسان کو تعمیر خودی کا پیغام دیا اور ایک مربوط فلسفۂ خودی پیش کیا جو انسان کو اخلاقی اور روحانی سطح پر آگے بڑھنے کا درس دیتا ہے اور اسے روشن مستقبل اور نیابتِ الٰہی کا مژدہ سناتا ہے۔ پھر انھوں نے تعمیر خودی کی آخری منزل انسانِ کامل کو قرار دے کر جریدۂ عالم پر انسان کی عظمت و توقیر کی مہر ثبت کی۔''[۱۰۵]

آدمیّت　احترامِ　آدمی
باخبر شو از مقامِ آدمی![۱۰۶]

مردِ کامل اقبالؒ کی خودی کی معراج ہے۔ دل کی بیداری اور عرفانِ نفس سے اس میں غیر فانی قوتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اقبالؒ نے انسانِ کامل کا یہ تصور قرآنِ کریم اور مولانا رومیؒ سے اخذ کیا ہے لیکن اقبالؒ سے قبل میاں محمد بخشؒ نے مردِ کامل کا جو نظریہ دیا، اقبالؒ کا تصور نہ صرف اُس سے ہم آہنگ ہے بلکہ اُسی کا پرتو نظر آتا ہے۔

میاں محمد بخشؒ مردِ کامل کے بارے میں فرماتے ہیں:

جے ہک آہ درد دی مارن ہوندا ملک ویرانی
کوہ قافاں دے سبزے سڑدے ندئیں رہے نہ پانی[۱۰۷]

بقول اقبالؒ:

جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی! کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں[۱۰۸]

مردِ کامل اُمید اور یقین کے ساتھ اپنے نصب العین کی جانب سفر طے کرتا ہے۔ مقصد کی یہ سچائی ہی اُسے جدوجہد اور عمل پر اُبھارتی ہے۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ سرگرمِ عمل ہے پھر بھلا مردِ مومن کیونکر بےعمل ہو سکتا ہے۔ عمل کا دوسرا نام ہی جہاد ہے۔

''عمل رازِ حیات اور سرِ کائنات ہے۔ عمل سے ہی افراد بنتے اور قومیں سنورتی ہیں۔ مردِ مومن امن کا پتلا ہوتا ہے۔ اس کی قوت، ہمت، حوصلہ، شجاعت، عزم، استقلال، ثبات، جوش، ولولہ، علوِ ظرف اور بلند نظری کی مثال اور نظیر نہیں مل سکتی اس کی بلند ہمتی اور جوشِ عمل پہاڑوں کو فنا کر سکتی ہے اور سدِ سکندری کو ملیامیٹ کر سکتی ہے۔''[۱۰۹]

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے[۱۱۰]

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں[۱۱۱]

اُمید، یقین اور سعیِ پیہم زندگی کی مشکلات کو آسان بنا کر خودی کو مستحکم کرتی ہیں۔ نااُمیدی، یاسیت

اور خوف زندگی کے زوال کا سبب بنتا ہے اس لیے اقبالؒ اور میاں محمد بخشؒ خوف اور نا اُمیدی سے بچنے کی بار بار تلقین کرتے ہیں۔

''نومیدی اور 'توحید' باہم سازگار نہیں۔ 'توحید' کا تقاضا ہے کہ مومن واقعی خوف و حزن سے محفوظ اور ذاتِ مطلق کے حضور ہی سجدہ ریز ہو۔'' [۱۱۲]

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات [۱۱۳]

جب مردِ کامل دل سے تمام خوف و ہراس اور نا اُمیدی نکال کر یقین کے ساتھ اپنے مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد کرتا ہے تو اُس کے راستے کی تمام مشکلات خود بخود دور ہو جاتی ہیں۔ اور اس کی پرواز بھی جبریلِ امیں کی طرح بلندیوں کی طرف ہو جاتی ہے اور آخر کار وہ اپنی منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ گویا یقینِ محکم ہی وہ پہلی سیڑھی ہے جو اُسے نصب العین تک پہنچاتی ہے۔ یقین ہی انسان کو حوصلہ، ہمت اور بلند پروازی عطا کرتا ہے۔

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا [۱۱۴]

نقطۂ پرکارِ حق، مردِ خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز [۱۱۵]

یقیں پیدا کر اے ناداں! یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی، کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری [۱۱۶]

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو، زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے [۱۱۷]

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں، یقین کی بدولت ہی کامیابی قدم چومتی ہے اور مشکلات کی تاریکی دور ہوتی ہے۔ انسان جب یقینِ محکم کے ساتھ منزل کی طرف بڑھتا ہے تو وہ ضرور منزل کو پا لیتا ہے۔

علم یقینوں حاصل ہویا رتبہ عین یقینوں
غفلت ہوئی دُور محمد عالم زمن زمینوں [۱۱۸]

رستہ دور نہ اوڑک جس دا گھنے قضیئے دَسدے
پر جو نال یقینے ٹُردے ونج سجن سنگ وَسدے[۱۱۹]

یقینِ محکم ہی مردِ کامل کے دل میں حوصلہ اور ہمت پیدا کرتا ہے۔ جسمانی قوت کے ساتھ ساتھ روحانی قوت بھی مردِ مومن کو منزل کا راستہ دکھاتی ہے۔ اگر انسان کا دل مردہ ہو جائے تو ایمان کی حرارت باقی نہیں رہتی اور شوقِ شہادت بھی ماند پڑ جاتا ہے۔ جب کہ قوتِ ایمانی مردِ کامل کو فولاد بنا دیتی ہے۔ اس قوتِ ایمانی کی طاقت عشقِ الٰہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن حلقۂ یاراں میں ریشم کی طرح نرم خو ہوتا ہے لیکن جب وہ راہِ عشق پر چلتا ہے تو کوہ قاف جیسے پہاڑوں اور سمندروں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ اس کی ہیبت سے دشت وجبل کانپ اُٹھتے ہیں۔

بقول اقبالؒ:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن![۱۲۰]

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

راہ عشق دے چلن والے سچے مرد سپاہی
جانن نہ کوہ قاف سمندر جتوّل ہوون راہی[۱۲۱]

خودی کے استحکام، دل کی بیداری اور عرفانِ نفس سے مردِ مومن میں غیر فانی قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ فنا و زوال کی حدود سے ماورا ہو جاتا ہے۔ موت کا فرشتہ بھی مومن کی خودی تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ مومن حُبِ رسول ﷺ اور عشقِ الٰہی سے سرشار ہوتا ہے۔ اس کا ہر قدم اور فعل سنتِ رسول ﷺ کے مطابق ہوتا ہے اور اس کا دل انوارِ الٰہی اور مشاہدۂ حق سے روشن ہوتا ہے۔ اس کے دل میں خوفِ خدا ہوتا ہے اور اللہ کے خوف کے سوا کوئی خوف اس کے دل میں جاگزیں نہیں ہوتا اسی لیے مردِ کامل زندہ جاوید رہتا ہے۔ میاں محمد بخشؒ کہتے ہیں کہ مردِ مومن کو موت کا بھی کوئی خوف نہیں ہوتا۔

جے اج خوف خدا دیوں سڑسیں اس دن ہوسیں ہریا
موتے دا کجھ خوف نہ اس نوں جیوندڑا جو مَریا[۱۲۲]

علامہ اقبالؒ مومن کو اسی ابدی زندگی کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو
خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو[۱۲۳]

مردِ کامل خیر البشر ہے وہ سراپا رحمت و شفقت ہوتا ہے۔ اس کے قہر و غصہ میں بھی ایک جمالی کیفیت اور جلالی شان کا اظہار ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس کا یہ لطف و قہر کسی نفسانی جذبے کے تحت نہیں ہوتا بلکہ اُس کا ہر عمل دینِ حق کو غالب کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ وہ تمام دنیا میں اللہ کی حکمرانی دیکھنا چاہتا ہے۔

اس کی نفرت بھی عمیق اس کی محبت بھی عمیق
قہر بھی اس کا ہے اللہ کے بندوں پہ شفیق[۱۲۴]

''اقبال کا مردِ مومن احکام وقوانینِ اسلام کا پابند ہوتا ہے وہ ہمہ وقت معرفتِ الٰہی اور مشاہداتِ اسرارِ الٰہی میں سرشار ہوتا ہے۔ اس کی ذات ربِ ذوالجلال کی ذات میں فنا ہوتی ہے۔ اس کی گفتار، افعال و کردار مقصد و ارادہ منجانب اللہ سرزد ہوتے ہیں طاقتِ خداوندی کی وہ مکمل تصویر ہوتا ہے۔''[۱۲۵]

ایک حدیثِ قدسی کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میرا کوئی بندہ میرے راستے پر چلتا ہے اور میری طرف رجوع کرتا ہے اور میرے رنگ میں خود کو رنگ لیتا ہے تو پھر میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ کام کرتا ہے میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ جب مردِ کامل قربِ الٰہی کی اس منزل پر پہنچتا ہے تو اس کے تمام اعمال و افعال احکامِ الٰہی کے تابع ہو جاتے ہیں۔

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کارکشا، کارساز
خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دلِ بے نیاز
اس کی اُمیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز[۱۲۶]

جب بندہ احکامِ شریعت پر خلوصِ نیت کے ساتھ عمل پیرا ہوتا ہے تو اس کی مرضی اللہ کی مرضی ہو جاتی ہے اور وہ بندہ قضائے حق بن جاتا ہے۔

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

سچے مرد صفائی والے جے کجھ کہن زبانوں
مولا پاک منیندا اوہو پکی خبر اسانوں[۱۲۷]

بقول اقبالؒ:

چوں فنا اندر رضائے حق شود
بندۂ مومن قضائے حق شود[۱۲۸]

اللہ تعالیٰ مردِ کامل کو وہ قوت عطا کرتا ہے کہ تقدیر بھی اُس کے تابع ہو جاتی ہے۔

قلم ربانی ہتھ ولی دے لکھے جو من بھاوے
مردے نوں رب قوت بخشی لکھے لیکھ ہٹاوے[۱۲۹]

علامہ اقبالؒ ایسے ہی کامل مردوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں[۱۳۰]

مردِ کامل دل میں نورِ ایمان کی دولت کا سوز پوشیدہ رکھتے ہیں۔ان کی زندگی کا ہر معاملہ احکامِ الٰہی کا پابند ہوتا ہے وہ عاجزی پسند ہوتے ہیں اوران کے چہرے شمع کی مانند نورانی ہوتے ہیں لیکن عام لوگوں کی نظریں ان کے حال کا ادراک نہیں کرسکتیں۔

بقول اقبالؒ:

صورتِ شمع نور کی ملتی نہیں قبا اسے
جس کو خدا نہ دہر میں گریۂ جانگداز دے[۱۳۱]

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

حال اونہاں دا کس نوں معلم پھردے آپ چھپایا
دل وچہ سوز پتنگاں والا چہرہ شمع بنایا
باہروں دِسن میلے کالے اندر آب حیاتی
ہوٹھ سُکّے تریایاں وانگر جان ندی وچہ نہاتی
شہر اُجاڑ ڈھونڈیندے وتدے دلبر یار بغل وچہ
گُنگے ڈورے کن زبانوں معنی سب عقل وچہ[۱۳۲]

حالاں اندر کرو نہ حُجّت بھلی نصیحت بھائی
حال محباں دا رب معلم ہور کی جانے کائی[۱۳۳]

مردِ کامل کی زندگی کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ظاہری طور پر وہ دنیا میں رہتے ہیں لیکن اس دنیا سے دل نہیں لگاتے۔ان کا دل ہر وقت یادِ الٰہی میں منہمک رہتا ہے۔وہ کستوری کی مانند خاموش ہوتے ہیں لیکن اپنی خوش بو پوری دنیا میں پھیلاتے ہیں۔وہ اہلِ دنیا کو اپنی ذات سے فیض اور نفع پہنچاتے ہیں مگر خود اس دنیا کو مقصودِ حیات نہیں بناتے کیوں کہ وہ معرفت کی راہ کے مسافر ہیں اور دنیا اُن کے لیے ایک سرائے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

واؤ وانگ پھرن سبھ مُلکیں ہر گز نظر نہ آون
چپ رہن کستوری وانگوں فر خوش بو دُھماون[۱۳۴]

دنیا میں خوش بو کی طرح زندگی بسر کرنے کا یہی مشورہ رومیؒ اقبالؒ کو دیتے ہیں۔خوش بو جو اپنی ذات

کے لحاظ سے پوشیدہ و مستور ہے مگر اپنی تاثیر کے اعتبار سے فاش ہے گویا رومیؒ، میاں محمد بخشؒ اور اقبالؒ کا پیغام ایک ہی ہے کہ مسلکِ تصوف اختیار کرو۔

اقبال اس شعر میں تصوف کی روح اس طرح بیان کرتے ہیں:

در چمن زی مثلِ بو مستور و فاش
درمیان رنگ، پاک از رنگ باش[۱۳۵]

یہ مردِ کامل دن رات عبادتِ الٰہی میں مگن رہتے ہیں اور ان کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی خدا کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔ اُن کی زندگی کا مقصد محبوبِ حقیقی کو راضی رکھنا ہوتا ہے اس لیے اُن کا دل عشق کے سوز سے معمور ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ اسی یاد کی قید میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ انھیں دنیا داروں کی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اُن کی منزل صرف خدا ہے۔ میاں محمد بخشؒ ایسے مست دیوانے اور عاجز لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

کر کر یاد سجن نوں کھاندے بُھن بُھن جگر نوالے
شربت وانگ پیا دے ہتھوں پیون زہر پیالے
فیر خلاصی منگدے ناہیں جو قیدی دلبر دے
پھاہی تھیں گل کڈھ دے ناہیں ہوئے شکار اس گھر دے
جھلن بھار ملامت والے عشقے دے متوارے
بُھکّھا اُوٹھ ہووے مستانہ بھار اٹھاوے بھارے[۱۳۶]

راتیں زاری کر کر رونون نیند اکھیں دی دھوندے
فجرے او گنہار کہاون ہر تھیں نیوے ہوندے[۱۳۷]

علامہ اقبالؒ کے نزدیک مردِ کامل کا وجود انسانی بھی ہے اور ایمانی بھی۔ وہ رات کو یادِ الٰہی میں غرق رہتا ہے اور دن کو عاجزی و انکساری اختیار کرتا ہے کیوں کہ وہ ایک سچا مسلمان ہے۔ وہ کسی نمود و نمائش کا خواہاں نہیں ہوتا۔ اُس کا دل ریا کاری سے پاک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد میں وہ اپنی آنکھوں سے نیند کو بھی اشکوں سے دھو دیتا ہے اس لیے کہ اسے صرف رضائے الٰہی مطلوب ہوتی ہے۔

میں نے پایا ہے اسے اشکِ سحر گاہی میں
جس دُرِ ناب سے خالی ہے صدف کی آغوش[۱۳۸]
عطّار ہو، رومؔی ہو، رازؔی ہو، غزاؔلی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی[۱۳۹]

اللہ تعالیٰ کو کثرت کے ساتھ یاد کرنا مردِ کامل کے لیے شیوۂ تسلیم و رضا سے عبارت ہے۔ خدا تعالیٰ

کے مقررہ قوانین اور اصولوں کے سامنے خلوص اور رضا و رغبت کے ساتھ سرِ تسلیم خم کرنا حبِّ الٰہی کا صحیح معیار ہے، اس لیے مردِ کامل خضوع و خشوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔ میاں محمد بخشؒ کے نزدیک وہ زاہدِ شب بیدار ہے۔

زاہد شب بیدار نمازی ادب ہدایت والا
ایس زمانے ثانی اس دا ناں کوئی مرد اُجالا[۱۴۰]

میاں محمد بخشؒ کی کتاب سفر العشق کا ہیرو سیف الملوک مردِ کامل کے تمام اوصاف سے متصف ہے۔ وہ اللہ کا عبادت گزار بندہ ہے۔ غم ہو یا کوئی خوشی کا موقع، وہ اپنے خدا کو ہر لمحے یاد رکھتا ہے۔

کیتا وضو شہزادے اُٹھ کے آکھی بانگ فجر دی
پڑھی نماز عبادت کیتی اپنے زور قدر دی
ذکر وظیفے وِرد کریندا بیٹھا مل مصلّیٰ
شکر گزارے رب چتارے تیری ذات معلّیٰ[۱۴۱]

زندگی کی شبِ تاریک کو سحر کرنے والا یہی مردِ کامل اپنے ایمان کی حرارت سے زندہ جاوید ہے۔ بقول اقبالؒ:

مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں ، کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سرِ کلیمؑ و خلیلؑ[۱۴۲]

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا[۱۴۳]

مردِ کامل عیش و عشرت اور آرام طلبی کی زندگی پسند نہیں کرتا۔ وہ سخت کوش ہے، اپنے اندر بے پناہ قوتیں رکھتا ہے لیکن یہ قوتیں وحشیانہ نہیں۔ اقبالؒ کا مردِ مومن بندۂ مولا صفات ہے جس کا تصور نطشے کا فوق البشر نہیں بلکہ خالصتاً قرآنی ہے جو انسانی صفات کی اعلیٰ اقدار سے ممیّز ہے۔ نطشے کے فوق البشر اور اقبال کے مردِ کامل میں کوئی ایسی مماثلت نہیں پائی جاتی جس سے یہ تاثر ابھرے کہ انسانِ کامل کا تصور اقبال نے نطشے سے مستعار لیا ہے۔ اقبالؒ کا مردِ کامل عجز و نیاز کا پیکر اور انسانیت کا ہمدرد و غم خوار ہے۔ لیکن اسلام کے دشمنوں کے مقابلے میں وہ قہرِ خداوندی کا مظہر ہے، وہ اپنے قوتِ بازو پر بھروسا کرتا ہے۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی[۱۴۴]

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

تینوں مان دلے وچہ بھارا کرساں خرچ خزانہ
مینوں قوت باہاں اندر لڑساں وانگ جواناں[۱۴۵]

یہ دنیا کارزارِ حیات ہے اور مردِ کامل اس میں شہ زور انسان ہے۔ وہ بے بسی و مجبوری کی زندگی بسر نہیں کرتا بلکہ اس کی ساری زندگی سخت کوشی سے عبارت ہوتی ہے۔ وہ ہمت اور قوت سے کام لیتا ہے اور دشمنوں پر غالب آتا ہے۔ خودی کو مستحکم کر لینے کے بعد وہ شمشیرِ بے زنہار ہے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

خام ہے جب تک تو ہے مٹّی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو[۱۴۶]

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ
یہ زورِ دست و ضربتِ کاری کا ہے مقام
میدانِ جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ
خونِ دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات
فطرت 'لہو ترنگ' ہے غافل! نہ 'جل ترنگ'[۱۴۷]

حیات شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز
سرشت اس کی ہے مشکل کشی، جفا طلبی[۱۴۸]

یہ سخت کوشی اور سخت گیری مردِ کامل کے لیے زندگی کی آبرو ہے۔ زندگی کی سختیاں انسان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو مزید جلا بخشتی ہیں اس طرح انسان کو اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لانے کا موقع ملتا ہے گویا یہی سخت کوشی کی قوت مردِ کامل کی زندگی کا حاصل ہے۔

زندگی کشت است و حاصلِ قوّت است
شرحِ رمزِ حق و باطل قوت است[۱۴۹]

سنگِ رہ آب است اگر ہمت قوی است
سیل را پست و بلندِ جادہ چیست[۱۵۰]

ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے[۱۵۱]

علامہ اقبالؒ نے انسان کو خطرات و مشکلات پر ہمت کے ساتھ غالب آنے کا جو درس دیا ہے وہی درس میاں محمد بخشؒ کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے۔ میاں محمد بخشؒ کی تصانیف میں ہیرو مشکل مہمات کو ہمت اور بہادری کے ساتھ سر کرنے والا ہے۔ وہ روحانیت کے ساتھ ساتھ جسمانی طور پر بھی طاقتور ہے کیوں کہ زندگی کا راز کم زوری اور ضعف میں نہیں بلکہ زورِ بازو اور قوت و ہمت میں مخفی ہے۔

سوہنے صاف ہنگاسن قوت نال بھرے
ڈوہلے ویکھ جوان دے شیر پلنگ ڈرے[۱۵۲]

مردِ کامل کی ہیبت سے بڑی سے بڑی طاقت بھی لرزہ براندام ہو جاتی ہے۔ وہ حق گو، بے باک اور نڈر ہے۔ علامہ اقبالؒ ایسے ہی مردانِ حق کو اللہ کے شیر کہتے ہیں:

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی[۱۵۳]

یہ مردِ مجاہد میدانِ جنگ میں بہادری اور دلیری کے ساتھ لڑتے ہیں۔ اِن کی شجاعت اور بہادری کے سامنے بڑے بڑے دشمن بھی کانپنے لگتے ہیں۔ میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں کہ ان کے دل میں موت کا کوئی خوف نہیں ہوتا اسی لیے میدانِ جنگ میں اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے اور انھیں دشمنوں پر غالب کر دیتا ہے۔

تھکن نہیں لڑائی کر دے دم دم ہون سوائے
حملہ ویکھ اونہاں دا باروں شیر ببر نس جائے
سبھ قواعد جنگ کرن دے جانن ہر ہتھیاروں
زرہ خود فولادی لاون کاہنوں ڈر تلواروں[۱۵۴]

موتوں خوف نہ کھاون ذرہ بہت دلیر دلاں دے
وچہ میدان لڑائی والے پاؤں سیر ہو جاندے[۱۵۵]

اقبالؒ اس مردِ کامل کو مردِ حُر کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں جس کی ضرب کاری ہے، وہ اپنے دشمن کے لیے سراپا قہر ہے۔ اُس کے مدِمقابل کائنات کی کوئی طاقت نہیں ٹھہر سکتی۔ دنیا کی بڑی سے بڑی قوت اُس کے قدموں میں ڈھیر ہو جاتی ہے۔ میاں محمد بخشؒ کی کتاب سفر العشق کا ہیرو سیف الملوک ایسی ہی قوت، طاقت اور بہادری کا نمونہ ہے۔

سیف بہادر سَیف ملوکے ایسی نال صفائی
سر شیرے دے آوندیاں ہی اِکّو وار چلائی
نعرہ مار لگایا کاری پھَٹ ایسا تلواروں
متّھے تھیں لے دُنبے توڑی دَل سٹیا وچکاروں

شیر مریلا آدم کھایا لشکر جس ڈرایا
اِکسے ہتھوں سیف ملوکے خاکو نال رَلایا
نَچدا ٹپدا گجدا آیا کردا شور ککارا !!
سَیف ملوک بہادر اگے ڈھٹّھا ہو بیچارا[۱۵۶]

بقولِ اقبالؒ:

وہی ہے بندۂ حُر جس کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ حرب ہے جس کی تمام عیّاری![۱۵۷]

مردِ کامل کی زندگی تمام آلائشوں سے پاک ہوتی ہے۔ اُس کا کردار بے داغ ہوتا ہے۔ وہ پاک دامن اور پاک نفس ہے اور اس کی نگاہ میں پاکیزگی و حیا پائی جاتی ہے۔ وہ ہر معاملے میں صرف اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات کو صرف رضائے الٰہی کے تابع کر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اُس کی ساری زندگی پاکیزگی اور طہارت کا اعلیٰ نمونہ ہوتی ہے۔

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہے بے داغ، ضرب ہے کاری[۱۵۸]

میاں محمد بخشؒ کا ہیرو سیف الملوک بھی عفتِ نگاہ اور بلند کرداری کا نمونہ ہے۔ یہی پاکیزگیِ فکر اور پاکیزگیِ عمل مردِ کامل کی اہم صفت ہے جس کی بدولت وہ کسی پر غلط نگاہ نہیں ڈالتا۔

خواہش نال نہ ویکھاں کوئی باجھ بدیع جمالوں
دوئے جہان نہ بھاون مینوں اس دی طلب کمالوں[۱۵۹]

مردِ کامل کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہیں آتی۔ اُس کے ارادے پہاڑ کی مانند مضبوط ہوتے ہیں۔ وہ خطرات اور مشکلات سے گھبرا کر کبھی اپنے مقصد سے نہیں ہٹتا، تلاش و جستجو کے سفر میں اُس کی آنکھیں چراغ بن جاتی ہیں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

ملے گا منزلِ مقصود کا اُسی کو سراغ
اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ[۱۶۰]

میاں محمد بخشؒ کے نزدیک بھی سالکِ حق اپنی راہ کا خود چراغ ہوتا ہے۔ اُس کی آنکھیں اس کے لیے اندھیری راہ میں وہ روشنی مہیا کرتی ہیں جو منزل تک اس کی رہنما بنتی ہے۔

اَکّھیں بلن چراغاں وانگر پھِردا مست دیوانہ
جُھلّی واء سجن دے پاروں آ دیتوس پروانہ[۱۶۱]

تلاشِ حق اور جستجو کے سفر میں مردِ کامل کی زبان پر اللہ کے نام کا ہی وِرد ہوتا ہے۔ یہی نام اُس کے جسم میں طاقت اور قوت پیدا کرتا ہے اور اسی ذکرِ الٰہی کو وہ اپنا دوست رکھتا ہے جو ہر مشکل میں اُس کی مدد کرتا ہے۔

اسم اعظم پکاندا جاندا برکت اس دی بھاری
قوت زور عشق دا تن وچہ ہور اسم دی یاری[۱۶۲]

مردِ کامل کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے عمل سے تجدیدِ حیات کرتا ہے۔ اُس کی زندگی اور موت صرف اللہ کے لیے ہوتی ہے اس لیے دنیا کی آفات اور بلائیں اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ وہ اپنے عشق کی بدولت ہر چیز پر غالب آ تا ہے۔ اس لیے اس کو کسی چیز کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔

رات ہنیری خوف چوفیرے بولن دیو بلائیں
عاشق باہجھ نہ قدر کسے دا بچے اجہیں جائیں[۱۶۳]

اللہ کا عاشق بے خوف اور نڈر ہے۔ موت اُس کی حفاظت اور نگہبانی کرتی ہے۔ وہ آپ اپنی تقدیر ہوتا ہے کیوں کہ تدبیر سے اپنی تقدیر کے رخ کو موڑ دیتا ہے۔

''اس مومن کی شخصیت آفاقی اور ہمہ گیر ہوتی ہے اور اس کی ایک نگاہِ غلط انداز تاریخ اور حالاتِ زمانہ کا رخ موڑ کر رکھ دیتی ہے۔ اس میں اتنی قوتِ ارادی ہوتی ہے کہ وہ محض زندانیِ تقدیر بن کر نہیں رہ جاتا بلکہ خود تقدیرِ یزداں ہو کر اپنی زمامِ تقدیر کا رخ اپنی مرضی کے مطابق موڑ سکتا ہے۔''[۱۶۴]

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے؟[۱۶۵]

کافر ہے تو ہے تابعِ تقدیر مسلماں
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیرِ الٰہی[۱۶۶]

ماسویٰ اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری
تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری[۱۶۷]

میاں محمد بخشؒ کے نزدیک بھی انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کا سراغ لگائے۔ اسے اپنے ارادے اور عمل میں آزادی حاصل ہے گویا انسان تخلیقی عمل میں حصّہ لے کر خدا کی پیدا کردہ کائنات کو مسخر کر سکتا ہے کیوں کہ انسان کی تقدیر میں مسلسل ارتقا اور عروج لکھ دیا گیا ہے۔ اب یہ اُس کا فرض ہے کہ وہ ذوقِ سفر اور تلاش و تحقیق کی صلاحیت پیدا کرے۔

عاشق قید محمد بخشاؒ پیر نہ بدّھے تیرے
کر کجھ آہر چھڈاون والا کریں ایتھے کی جھیڑے[۱۶۸]

علامہ اقبالؒ اور میاں محمد بخشؒ دونوں حضرات تقدیر کے مسئلے پر ہمیں متفق نظر آتے ہیں[۱۶۹]

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے ارادے اور عمل میں ایک خاص حد تک اختیار دیا ہے۔ ایک متحرک اور زندہ قوت ہونے کی حیثیت سے انسان اپنے اعمال و افعال میں آزاد ہے، اسی آزادی کی بنا پر اُس کی خودی کی نشوونما ہوتی ہے اور وہ روحانی ارتقا کے مدارج طے کرتا جاتا ہے۔

ناچیز جہانِ مہ و پرویں ترے آگے
وہ عالمِ مجبور ہے، تو عالمِ آزاد[۱۷۰]

علامہ اقبالؒ اور میاں محمد بخشؒ اوہام پرستی کے سخت خلاف ہیں۔ کیوں کہ یہ مایوسی اور یاسیت کی پیداوار ہیں اور مغلوب ذہن و دل کی علامت ہیں جب کہ مردِ کامل تو بندۂ حُر ہے۔ وہ تقدیر کا حال ستاروں سے معلوم نہیں کرتا بلکہ تدبیر کے دستِ زریں پر یقین رکھتا ہے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا
وہ خود فراخیٔ افلاک میں ہے خوار و زبوں[۱۷۱]

میاں محمد بخشؒ بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے اور تقدیر کو ستاروں کے تابع بنانے کی بجائے ہمت، جرأت اور مردانگی سے کام لینے کا درس دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ستارے تو خود گردش کے لیے پابندِ حکم ہیں۔ وہ انسان کی تقدیر کی خبر بھلا کیونکر دے سکتے ہیں۔

دل وچہ کرے دلیل شہزادہ کی کم کرسن تارے
آپ تخت توں ڈھیندے جاندے ہو غریب بیچارے[۱۷۲]

ایہ آپوں وچہ قید حکم دے ٹُردے اُٹھ نکیلے
رات دنے آرام نہ کر دے سرگرداں ہرویلے[۱۷۳]

مردِ کامل کا وسیلہ تدبیر ہے جس سے کام لے کر وہ تقدیر کو بدل سکتا ہے۔ وہ تقدیر کا راکب ہے۔

بقول اقبالؒ:

جستجو را محکم از تدبیر کن
انفس و آفاق را تسخیر کن[۱۷۴]

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِّ آدم ہے ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی[۱۷۵]

انسان کو اللہ تعالیٰ نے لامحدود اختیارات سے نوازا ہے اس لیے اُسے یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ وہ تقدیر کے روایتی تصور کے مطابق ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے۔ جدوجہد اور سعیِ پیہم سے وہ اپنی خودی

میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔ یہی مردِ کامل کی شان ہے کہ وہ تابعِ تقدیر نہیں۔

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں ہے کہ یہ چار سُو بدل جائے[۱۷۶]

میاں محمد بخشؒ بھی یہ درس دیتے ہیں کہ انسان اپنی طرف سے پوری کوشش کرے اور کسی قیمت پر بھی بے عمل ہو کر نہ بیٹھے بلکہ ہمت کے ساتھ لگاتار جدوجہد کرے اور پھر اپنے اللہ پر توکل کے ساتھ کامیابی کی اُمید رکھے۔

یار تینوں رب پاک ملاناں جے تدھ قسمت ہوئی
حیلہ وس میرا جو لگسی فرق نہ رکھساں کوئی[۱۷۷]

مولانا عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں:

''سلسلۂ کائنات میں ایک ذرے سے لے کر آفتاب و ماہتاب تک ایک خاص قانون کے پابند ہیں اور اس محدود دائرے سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتے لیکن ان کے مقابل میں انسان کی قدرت، اختیار و ایجاد و اختراع کی کوئی حد ہی نہیں۔''[۱۷۸]

خاک شو نذرِ ہوا سازد ترا
سنگ شو بر شیشہ اندازد ترا[۱۷۹]

اقبالؒ کے فلسفۂ خودی کا مقصد ہی انسان کی شخصیت کے تمام مخفی پہلوؤں اور پوشیدہ صلاحیتوں کو اُبھار کر اسے عمل اور جدوجہد کی راہ پر گامزن کرنا ہے تاکہ وہ صرف تقدیر کا شاکی ہو کر نہ بیٹھ رہے بلکہ نصب العین کے حصول کے لیے لگاتار کوشش کرے کیوں کہ کم زوری و ناتوانی سستی و کاہلی عظمتِ انسانی کے خلاف عمل ہیں جو مردِ مومن کو کسی طور زیب نہیں دیتے۔

بقول اقبالؒ:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات[۱۸۰]

زندگی عمل اور حرکت کا مجموعہ ہے۔ تقدیر کو موردِ الزام ٹھہرانے والے دراصل اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں۔ اس لیے کشمکشِ حیات سے گریز بھی مردِ مومن کا شیوہ نہیں۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

گریز کشمکشِ زندگی سے مردوں کی
اگر شکست نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست[۱۸۱]
مردِ بے حوصلہ کرتا ہے زمانے کا گلہ
بندۂ حُر کے لیے نشترِ تقدیر ہے نوش[۱۸۲]

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا ، خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ[۱۸۳]

تقدیر کا گلہ کرنے کی بجائے مردِ کامل جسے اقبالؒ مردِ حُر بھی کہتے ہیں وہ دیدۂ بینا حاصل کر لیتا ہے جس سے وہ مستقبل میں پیش آنے والے حالات و واقعات کا عکس اپنے آئینۂ ادراک میں دیکھ سکتا ہے۔ بقول اقبالؒ:

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا مرے آئینۂ ادراک میں ہے[۱۸۴]

جو ہے پردوں میں پنہاں ، چشمِ بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے[۱۸۵]

بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا[۱۸۶]

علامہ اقبالؒ کے نزدیک زندگی کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے ارتقا کی جانب مسلسل گامزن رہے۔ اس لیے انسان کا مقصدِ حیات اس دنیا میں ہی ختم نہیں ہو جاتا بلکہ موت کی دہلیز پر پہنچ کر وہ ایک نئی زندگی کے سفر کی جانب قدم اُٹھاتا ہے۔ موت وہ دروازہ ہے جس سے گزر کر انسان ابدی زندگی میں داخل ہوتا ہے۔ موت دراصل ایک دائمی زندگی کا نام ہے۔

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی[۱۸۷]

موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے[۱۸۸]

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ قدرت نے اسے تمام کائنات پر فضیلت بخشی ہے پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ اس کے دائمی تحفظ و بقا کی ضامن نہ ہو۔ اس لیے حیاتِ انسانی موت کے بعد بھی اپنا تسلسل برقرار رکھتے ہوئے ارتقا پذیر رہتی ہے۔

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو، یہ وہ گوہر نہیں[۱۸۹]

مردِ کامل کی زندگی خودی کے استحکام سے وہ بقا حاصل کر لیتی ہے جو موت کے مادی تصور سے ماورا ہے۔

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے[۱۹۰]

مر کے جی اُٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوشِ لحد[۱۹۱]

مردِ کامل کی نظر میں موت کی حیثیت ایک صید کی سی ہے جس کی تاک میں وہ ہر لحہ انتظار کرتا ہے۔
میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

مینوں خواہش موت دی ہر فجرے ہر شام
معلم نائیں قبر دا کیہڑا ہوگ مقام[۱۹۲]

موت کے بعد جسم فانی ہو جاتا ہے لیکن روح زندہ رہتی ہے اور صرف فنا کی آگ سے گزر کر ہی ابدی زندگی حاصل کرتی ہے جس کی تہ میں روحِ حقیقی ہمیشہ کے لیے موجزن رہتی ہے جو عشق کی بدولت ہے اور اسے ہرگز زوال نہیں۔
بقول علامہ اقبالؒ:

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں[۱۹۳]

عشق کچھ محبوب کے مرنے سے مر جاتا نہیں
روح میں غم بن کے رہتا ہے مگر جاتا نہیں[۱۹۴]

میاں محمد بخشؒ اسی بات کو یوں بیان کرتے ہیں:

اپنی موت حیاتی اندر جب لگ تیرا ڈیرا
اس منزل وچہ کد محمد پیر پوے گا تیرا[۱۹۵]

علامہ اقبالؒ کے نزدیک موت کے بعد وہی لوگ بقا حاصل کریں گے جنھوں نے اپنی خودی کو عشق سے مستحکم کیا ہوگا۔ یہ وہ مردِ مومن ہوں گے جو دیدارِ الٰہی سے فیض یاب ہوں گے اور یہی زندگی کی معراج ہے کیوں کہ مردِ کامل کی مثال ایک روشن خورشید کی سی ہے جس کے لیے کبھی غروب نہیں ہے۔

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے ، اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے ، اِدھر نکلے[۱۹۶]

''دنیا میں انسانِ کامل آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی تھی۔ دوسروں کو یہ درجہ صرف آپ کے فیض اور کامل اطاعت سے حاصل ہوسکتا ہے۔''[۱۹۷]

انسانِ کامل کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ معراجِ نبوی دنیا میں انسان کی عظمت اور روحانی رفعتوں کی ایک روشن دلیل ہے۔ اقبالؒ اور میاں محمد بخشؒ دونوں ہی اس واقعے کو بہت دلچسپی، محبت اور عظمتِ آدم کے اعتراف کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

رہِ یک گام ہے ہمت کے لیے عرشِ بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات[198]

علامہ اقبالؒ کے نزدیک ثریا کی بلندیاں انسان کے عزم و حوصلے کے سامنے ہیچ ہیں کیوں کہ اس کی ترقیوں کا راز معراجِ مصطفویﷺ میں مضمر ہے۔

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیؐ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں![199]

ناوک ہے مسلماں! ہدف اس کا ہے ثریا
ہے سرِ سرا پردۂ جاں نکتۂ معراج[200]

''اسرا اور معراج کا واقعہ عالمِ انسانیت کا بے نظیر واقعہ ہے۔ روحانی اور جسمانی معراج کی بحثوں سے قطعِ نظر، یہ عظیم واقعہ اس بات کا مظہر ہے کہ اشرف البشر نے عالمِ ملکوت ماورائے افلاک اور لامکاں تک کا سفر فرمایا اور انسانوں کو ان دیکھی حقیقتوں سے آگاہی بخشتی ہے۔''[201]

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

بھیج بُراق بہشت دا کھڑیا شب معراج
دے شاہی مخلوق دی سر پر دھریا تاج[202]

لوح قلم آسماناں زمیاں دوزخ جنت تائیں
کرسی عرش معلّی ویکھیں سیر کریں سبّھ جائیں
عزت قُرب تُساڈا ویکھن حوراں مَلک پیارے
نالے رُوح نبیاں سندے ہون سلامی سارے
دوزخ جنت وچہ اَسماناں جو خلق اللہ وَسدی
پاک جمال تساڈے کارن ہَردی جان ترَسدی[203]

چھوڑ آسماناں زمیاں تائیں سرورؐ گیا اگیرے
جتھے وی نہیں ونج سکدا ہٹ بیٹھا کر ڈیرے[204]

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں :

چیست معراج آرزوے شاہدے
امتحانے روبروے شاہدے[۲۰۵]

علامہ اقبالؒ اور میاں محمد بخشؒ کے کلام میں معراجِ نبوی ﷺ کا واقعہ انسانی عظمت وتکریم کی واضح دلیل کے طور پر بیان ہوا ہے۔

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں:

جانی نال ملے دل جانی وِتھ نہ رہیا ذرّہ
خلعت تحفے ہدیئے لے کے آئے فیر مقرہ[۲۰۶]

مردِ کامل بھی صفات کی تجلیات سے مطمئن نہیں ہوتا، وہ تجلیِ ذات کا آرزومند ہوتا ہے۔

مردِ مومن درنسازد با صفات
مصطفیٰ راضی نشد اِلاّ بذات[۲۰۷]

گرچہ اندر خلوت و جلوت خداست
خلوت آغاز ست و جلوت انتہاست[۲۰۸]

انسان کے اندر وہ مخفی تب وتاب موجود ہے جسے وہ شررِ عشق سے پختہ کر کے انسانِ کامل کے مرتبے پر پہنچ سکتا ہے۔ اقبالؒ اور میاں محمد بخشؒ دونوں ارتقا پسند اور بقا پرست ہیں۔ زندگی کا میلان خدا کی طرف رجعت ہے کیوں کہ ہر وجود اپنے اصل کی طرف عود کرتا ہے۔

میاں محمد بخشؒ فرماتے ہیں :

عاشق دا جو دارو دسے باہجہ ملاپ سجن دے
اوہ سیانا جان ایاناں روگ نہ جانے من دے[۲۰۹]

انسان کی منزلِ مقصود خدا ہے اس لیے زندگی کا سارا لطف اسی جدوجہد اور سفر میں مضمر ہے کہ عشق اسے ہر وقت معشوق تک رسائی کے لیے سرگرمِ عمل رکھے۔ انسان کا یہ سفر کبھی ختم نہیں ہوتا اس لیے راہِ طلب کا مسافر کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔ خدا کی ذات لامتناہی ہے اس لیے اس مرحلے کا طے ہونا ناممکن ہے۔

شعلۂ درگیرزد بر خس و خاشاکِ من
مرشدِ رومیؔ کہ گفت ''منزلِ ما کبریا است'' [۲۱۰]

الغرض اقبالؒ اور میاں محمد بخشؒ کے مردِ کامل کی تمام خصوصیات مشترک ہیں۔ اُن کا مردِ مومن توحید کا رازدار اور گنجِ مصطفوی ﷺ کا امین ہے۔ تمام کائنات اس کی دسترس میں ہے۔ وہ عشق کی بے پناہ قوت کے سبب شرفِ کامل تک رسائی حاصل کرتا ہے اور حقیقی معنوں میں خدا کا محبوب بندہ بن کر عبدیت کے

مرتبۂ کمال پر فائز ہونے کے بعد نیابتِ الٰہی اور خلیفۃ اللہ کے اعلیٰ و ارفع مقام تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

حوالے اور حواشی

۱　محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی) ص۔۴

۲　صابر، ڈاکٹر، پروفیسر، آفاقی، میاں محمد بخش — ایک مطالعہ، مرتب جواد حسین جعفری، کشمیر اکیڈمی، مظفر آباد، طبع اوّل ۱۹۹۴ء، ص۔۹۷

۳　محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۶

۴　تاثیر، ایم، ڈی، اقبال کا فکر و فن، مرتب افضل حق قریشی، بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص۴۷۔

۵　محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۳۷۵

۶　محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔۴۶

۷　..................ایضاً.................. ص۔۴۶

۸　محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو) ص۔۳۹۵

۹　..................ایضاً..................ص۔۳۰۲

۱۰　عبدالحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، فکرِ اقبال، ص۔۳۵۰

۱۱　محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی) ص۔۴۱

۱۲　بختیار حسین، صدیقی، اقبال بحیثیت مفکرِ تعلیم، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبعِ اوّل، ۱۹۸۳ء، ص۔۱۸

۱۳　محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔۳۳۷

۱۴　..................ایضاً.................. ص۔۳۷۷

۱۵　فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اقبال سب کے لیے، ص۔۶۹

۱۶　محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔۴۱۹

۱۷　..................ایضاً.................. ص۔۴۱۹

۱۸　..................ایضاً..................ص۔ ۴۲۰

۱۹　شفیق الرحمٰن، پروفیسر، ہاشمی، اقبال کا تصورِ دین، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص۔۱۰۱

۲۰ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو) ص۔۳۷۵
۲۱ ....ایضاً.................. ص۔ ۴۷۷
۲۲ ....ایضاً.................. ص۔۳۳۰
۲۳ عبدالحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، فکرِ اقبال، ص۔۳۵۱
۲۴ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔ ۳۴۷
۲۵ ....ایضاً.................. ص۔۲۶۹
۲۶ ....ایضاً.................. ص۔ ۳۷۶
۲۷ ....ایضاً.................. ص۔۲۷۳
۲۸ ....ایضاً.................. ص۔۲۷۴
۲۹ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۷۵
۳۰ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔۵۱۹
۳۱ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔ ۶۵۶
۳۲ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۳۵
۳۳ منیر احمد، پروفیسر، یزدانی، شعورِ اقبال، ص۔۱۵۰
۳۴ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔۸۱۰
۳۵ محمد بخش، میاں، قصہ شاہ منصور، چوہدری برادرز، جہلم، ۱۹۹۹ء، ص۔ ۸
۳۶ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، (اردو)، ص۔۴۲۴، ۴۲۵
۳۷ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۴۳
۳۸ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔ ۳۱۶
۳۹ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔ ۳۳۶
۴۰ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔ ۵۰۷
۴۱ عبداللہ، ڈاکٹر، سید، مطالعۂ اقبال کے چند نئے رخ، بزمِ اقبال لاہور، طبع اوّل، ۱۹۸۴ء، ص۔۱۰۶، ۱۰۷
۴۲ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔۱۷۹
۴۳ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، فارسی، ص۔۶۲
۴۴ منیر احمد، پروفیسر، یزدانی، شعورِ اقبال، ص۔ ۱۵۶
۴۵ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔ ۳۲۸
۴۶ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔ ۴۱۹

۴۷ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۳۲۷

۴۸ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اقبال سب کے لیے، ص۔ ۷۹

۴۹ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔۴۴

۵۰ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔۵۰۳

۵۱ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۴۳

۵۲ حق نواز، اقبال اور لذتِ پیکار، اقبال اکادمی لاہور، طبع اوّل ۱۹۸۴ء، ص۔۱۸۴

۵۳ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔۵۲۲

۵۴ ....ایضاً..................ص۔۵۲۲

۵۵ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔ ۳۵

۵۶ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔ ۱۶۶

۵۷ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔۸۶۵

۵۸ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔ ۳۴۰

۵۹ ....ایضاً.................. ص۔ ۵۱۵

۶۰ شفیق الرحمٰن، پروفیسر، ہاشمی، اقبال کا تصورِ دین، ص۔۱۰۲

۶۱ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو) ص۔۵۳۶

۶۲ ....ایضاً.................. ص۔ ۵۳۶

۶۳ ....ایضاً.................. ص۔ ۵۰۶

۶۴ شفیق الرحمٰن، پروفیسر، ہاشمی، اقبال کا تصورِ دین، ص۔۱۰۲

۶۵ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔ ۳۵

۶۶ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی) ص۔ ۱۹

۶۷ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔ ۳۷

۶۸ ....ایضاً..................ص۔۳۲

۶۹ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔ ۶۶۸

۷۰ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔ ۴۸۵

۷۱ ....ایضاً.................. ص۔ ۴۹۷

۷۲ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔۱۲۳

۷۳ ....ایضاً.................. ص۔ ۶۶۸

۷۴ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۳۵

۷۵ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔۴۹۶

۷۶ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۳۵

۷۷ ....ایضاً..................ص۔۳۲

۷۸ ....ایضاً..................ص۔۳۷

۷۹ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو) ص۔۳۴۱

۸۰ ....ایضاً.................. ص۔۳۲۶

۸۱ ....ایضاً.................. ص۔۳۵۹

۸۲ منہاج الدین، ایس، ایم، ڈاکٹر، افکار وتصوراتِ اقبال، ص۔۱۶۳

۸۳ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو) ص۔۵۲۶

۸۴ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۳۲

۸۵ ....ایضاً..................ص۔۳۶، ۳۷

۸۶ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، اردو، ص۔۳۹۷

۸۷ محمد بخش، میاں، شیریں فرہاد، میر پور، آزاد کشمیر، طبعِ اوّل ۱۹۷۸ء، ص۔۳۶

۸۸ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو) ص۔۲۷۱۔

۸۹ حسن اختر، ملک، اطرافِ اقبال، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص۔۱۹۹

۹۰ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۵۴

۹۱ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو) ص۔۳۹۷

۹۲ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۳۲

۹۳ محمد طاہر، فاروقی، سیرتِ اقبال، ص۔۳۳۷

۹۴ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔۶۶۵

۹۵ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔۶۵۹

۹۶ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۳۵

۹۷ منہاج الدین، ایس، ایم، ڈاکٹر، افکارو تصوراتِ اقبال، ص۔۱۶۴

۹۸ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔۸۰۴

۹۹ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۴۴

۱۰۰ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۳۷

۱۰۱ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔۴۵۲

۱۰۲ منہاج الدین، ایس، ایم، ڈاکٹر، افکارو تصوراتِ اقبال، ص۔۱۶۵

۱۰۳ ثاقب رزمی، اقبال کی انقلابیت، مقبول اکیڈمی، لاہور ۱۹۹۰ء، ص۔ ۱۵۱
۱۰۴ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔ ۶۵۷
۱۰۵ ثاقب رزمی، اقبال کی انقلابیت، ص۔ ۱۵۳
۱۰۶ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔ ۶۹۳
۱۰۷ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔ ۳۳
۱۰۸ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔ ۱۰۴
۱۰۹ محمد طاہر، فاروقی، سیرتِ اقبال، ص ۳۰۷
۱۱۰ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔ ۲۷۴
۱۱۱ ....ایضاً.................. ص۔ ۲۷۲
۱۱۲ محمد ریاض، برکاتِ اقبال، مقبول اکیڈمی، لاہور ۱۹۸۲ء، ص۔ ۷۶
۱۱۳ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔ ۴۹۹
۱۱۴ ....ایضاً.................. ص۔ ۲۷۱
۱۱۵ ....ایضاً.................. ص۔ ۳۹۰
۱۱۶ ....ایضاً.................. ص۔ ۳۵۱
۱۱۷ ....ایضاً.................. ص۔ ۲۶۹
۱۱۸ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔ ۲۸۵
۱۱۹ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔ ۴۲
۱۲۰ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔ ۵۰۷
۱۲۱ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔ ۲۱۹
۱۲۲ ....ایضاً..................ص۔ ۷۶
۱۲۳ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔ ۱۹۲
۱۲۴ ....ایضاً.................. ص۔ ۵۹۱
۱۲۵ اسعد، گیلانی، سید، تصوراتِ اقبال، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص۔ ۱۳۶
۱۲۶ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو) ص۔ ۳۸۹
۱۲۷ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔ ۱۷۰
۱۲۸ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔ ۸۰۹
۱۲۹ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔ ۱۷۰
۱۳۰ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔ ۱۰۴

۱۳۱ ....ایضاً.................. ص۔۱۱۳
۱۳۲ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۳۲
۱۳۳ ....ایضاً..................ص۔۳۲
۱۳۴ ....ایضاً..................ص۔۳۳
۱۳۵ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔۸۰۴
۱۳۶ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۳۲
۱۳۷ ....ایضاً..................ص۔۳۳
۱۳۸ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔۳۶۷
۱۳۹ ....ایضاً.................. ص۔۳۴۸
۱۴۰ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۳۹۹
۱۴۱ ....ایضاً..................ص۔۴۱۹
۱۴۲ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص:۳۸۸
۱۴۳ ....ایضاً.................. ص۔۴۷۶
۱۴۴ ....ایضاً.................. ص۔۳۲۷
۱۴۵ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۳۸۳
۱۴۶ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو) ص۔۲۵۹
۱۴۷ ....ایضاً.................. ص۔۴۷۲
۱۴۸ ....ایضاً.................. ص۔۲۲۳
۱۴۹ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔۵۰
۱۵۰ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔۵۳
۱۵۱ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔۲۵۹
۱۵۲ محمد بخش، میاں، شیریں فرہاد، ص۔۲۴
۱۵۳ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔۳۴۹
۱۵۴ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۶۹
۱۵۵ ....ایضاً..................ص۔۷۰
۱۵۶ ....ایضاً..................ص۔۴۱۴
۱۵۷ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔۵۰۵
۱۵۸ ....ایضاً.................. ص۔۶۳۳

۱۵۹ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۴۷

۱۶۰ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔ ۵۴۷

۱۶۱ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۲۸۴

۱۶۲ ....ایضاً.................ص۔۱۳۳

۱۶۳ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۱۳۳

۱۶۴ منور رؤف، پروفیسر، دیدہ ور، ادارہ تحقیق و تصنیف، پشاور، طبع دوم، ۱۹۸۰ء، ص۔ ۸۵

۱۶۵ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔۶۷۴

۱۶۶ ....ایضاً.................ص۔ ۳۲۷

۱۶۷ ....ایضاً.................ص۔ ۲۰۸

۱۶۸ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۳۶۰

۱۶۹ محمد خلیل، ثاقب، میاں محمد بخش ایک آفاقی شاعر، ص۔۳۰۴

۱۷۰ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔۵۳۴

۱۷۱ ....ایضاً................. ص۔ ۳۱۹

۱۷۲ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔ ۳۵۹

۱۷۳ ....ایضاً................. ص۔ ۳۵۹

۱۷۴ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔۱۴۳

۱۷۵ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔ ۲۵۹

۱۷۶ ....ایضاً................. ص۔ ۶۲۷

۱۷۷ محمد بخش، میاں، قصہ سیف الملوک، ص۔۶۳

۱۷۸ عبدالسلام، ندوی، مولانا، اقبالِ کامل، آتش فشاں پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص۔ ۲۵۸

۱۷۹ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔۶۹۵

۱۸۰ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔۴۴۹

۱۸۱ ....ایضاً................. ص۔۵۰۱

۱۸۲ ....ایضاً................. ص۔۶۳۴

۱۸۳ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔ ۶۸۷

۱۸۴ ....ایضاً................. ص۔۳۵۶

۱۸۵ ....ایضاً................. ص۔۴۷

۱۸۶ ....ایضاً................. ص۔ ۳۱۶

۱۸۷ ....ایضاً................. ص۔۲۵۴
۱۸۸ ....ایضاً................. ص۔۲۳۳
۱۸۹ ....ایضاً................. ص۔۲۳۱
۱۹۰ ....ایضاً................. ص۔۵۲۷
۱۹۱ ....ایضاً................. ص۔۶۶۲
۱۹۲ محمد بخش، میاں، شیریں فرہاد، ص۔۶۴
۱۹۳ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔۱۵۷
۱۹۴ ....ایضاً................. ص۔۱۵۶
۱۹۵ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۴۲
۱۹۶ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو) ص۔۲۷۳
۱۹۷ نورالدین، ڈاکٹر، ابوسعید، اسلامی تصوف اور اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع سوم، ۱۹۹۵ء، ص۔۳۲۴
۱۹۸ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۔۲۴۹
۱۹۹ ....ایضاً................. ص۔۳۱۹
۲۰۰ ....ایضاً................. ص۔۴۷۹
۲۰۱ محمد ریاض، برکاتِ اقبال، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص۔۱۲، ۱۳
۲۰۲ محمد بخش، میاں، شیریں فرہاد، ص۔۱۹
۲۰۳ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۱۱
۲۰۴ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۱۱
۲۰۵ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔۶۰۸
۲۰۶ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۱۲
۲۰۷ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔۶۰۷
۲۰۸ ....ایضاً................. ص۔۶۳۹
۲۰۹ محمد بخش، میاں، سیف الملوک، ص۔۶۱
۲۱۰ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۔۳۴۱